تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انٹرنیٹ گزٹ

المنار

جلد نمبر: 5

نومبر: 2015

شمارہ: 11

زیر نگرانی: شعبہ اشاعت ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

مجلس ادارت: عطاء القادر طاہر، سید حسن خان، آصف علی پرویز، رانا عبدالرزاق خان

مینیجر: سید نصیر احمد

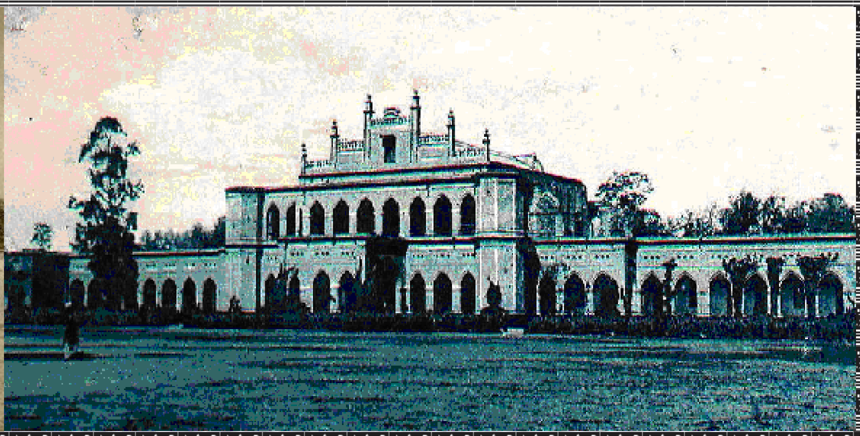

Taleem-Ul-Islam College
Old Students
Association - U.K

53, Melrose Road,
London, SW18 1LX.
Ph. : 020 8877 5510
Fax: 020 8877 9987
e-mail:
ticassociation@gmail.com

المنار ہر ماہ باقاعدگی سے جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam.org پر upload کر دیا جاتا ہے۔ آپ گزشتہ شمارے دیکھنا چاہیں تو Periodicals کے حصہ میں جا کر ان کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ المنار کو ہمیشہ آپ کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔ (ادارہ)

www.alminaruk.com

قال اللہ تعالیٰ

کون کسی بے کس کی دُعا سنتا ہے۔ جب وہ اس (خدا) سے دُعا کرتا ہے اور (اس کی) تکلیف کو دور کر دیتا ہے اور وہ تم (دعا کرنے والے انسانوں) کو ایک دن ساری زمین کا وارث بنا دے گا۔کیا (اس قادر مطلق) اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

(النمل:63)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

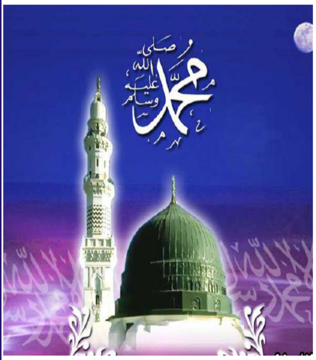

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:”جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔“

(ترمذی کتاب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”انسان اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو۔ اس لئے سجدے میں بہت دُعا کیا کرو۔“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

”دُعا کا قبولیت کے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ ہم اس راز کو معقولی طور پر دوسروں کے دلوں میں بٹھا سکیں یا نہ بٹھا سکیں مگر کروڑہا راستبازوں کے تجارب نے اور خود ہمارے تجربہ نے اس مخفی حقیقت کو ہمیں دکھلا دیا ہے کہ ہمارا دُعا کرنا ایک قوت مقناطیسی رکھتا ہے اور فضل اور رحمت الٰہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔“

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 240-241)

ارشاد سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اے اللہ تو ہمیں ایسے راستے پر چلا، اس طرح ہماری راہنمائی فرما جو اچھا راستہ بھی ہو، نیکی کی طرف لے جانے والا راستہ بھی ہو اور پھر ہم اس پر چل کر نیکی کو حاصل بھی کر لیں۔ صرف راستے کی نشان دہی نہ ہو جائے بلکہ ہم اس پر چلتے رہیں اور نیکی کو حاصل بھی کر لیں اور پھر یہ کہ اپنے مقصود کو یعنی نیکی کو جلدی حاصل کر لیں اور اس کے بعد پھر مزید اگلے رستوں پر چلنا شروع کر دیں۔

(از خطبہ جمعہ 13 فروری 2009)

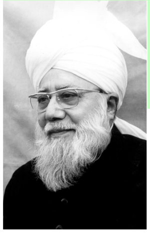

کشفاً امتحانی پرچہ دیکھ لیا!

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جو ایک لمبا عرصہ تعلیم

الاسلام کالج کے پرنسپل رہے، آپ کی زندگی کا ایک حسین گوشہ!

آپ نے اپنی خلافت کے دوران ایک بار بیان فرمایا کہ اُن دنوں اگرچہ آپ بطور پرنسپل تو اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کر لیتے تھے لیکن غیر معمولی جماعتی مصروفیات اور حضرت مصلح موعودؓ کے تفویض کردہ کاموں کی وجہ سے اپنی کلاس کو پورا وقت نہ دے سکتے تھے اور اسطرح پورا سلیبس ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ دعا کے نتیجے میں اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ آپ کورویاء میں اس سال کا یونیورسٹی کا پرچہ نظر آجاتا اور آپ کلاس کو بتائے بغیر ان سوالات پر مشتمل جامع نوٹس تیار کر کے چند لیکچروں میں اس مضمون کے متعلقہ حصے پڑھا لیتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کے مضمون میں کلاس کا نتیجہ ہمیشہ باقی مضامین سے بہتر ہوتا۔ آپ کے شاگرد صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب اس امر کے چشم دید گواہ ہیں۔ اس ضمن میں وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ 59-1958 کے سال غیر معمولی دینی مصروفیات کی وجہ سے آپ اپنی بی اے کی کلاس کو سیاسیات کے مضمون کا پورا کورس ختم نہ کروا سکے اور اس دوران سالانہ امتحان شروع ہوگیا۔ سیاسیات کے پرچہ سے قریباً دو روز قبل آپ نے ان کو ایک کاغذ پر تین سوالات لکھ کر بھجوائے اور ان کے جوابات بھی ٹائپ کروا کر بھجوائے اور فرمایا کہ یہ بھی پڑھ لینا اور باقی کلاس کے لڑکوں کو بھی بتا دینا۔ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک سوال مارشل لاء کی حکومت میں اور آئینی حکومت میں صدر مملکت کے اختیارات کے بارے بھی تھا اور 1958 کے مارشل لاء کی وجہ سے ہمارا یہ خیال تھا کہ یہ سوال تو امتحان میں بالکل نہیں آسکتا۔ بہرحال ہم نے یہ تینوں سوالات تیار کر لئے اور جب سیاسیات کا یونیورسٹی کا پرچہ آیا تو اسمیں یہ تینوں سوالات موجود تھے۔ اس موقعہ پر آپ نے ان سوالات کا کوئی پس منظر بیان نہیں کیا۔ بعد میں خلافت کے دوران ایک جلسہ کے دوران خطاب فرماتے ہوئے اس امر کا اظہار فرمایا کہ وہ پرچہ آپ کو کشفی حالت میں دکھایا گیا تھا۔

(حیاتِ ناصر جلد اول صفحہ 220)

اے اس راہ سے گزرنے والے انسان!

پرتگال کے ایک باغ کے باہر بورڈ پر جلی حروف میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

''اے اس راہ سے گزرنے والے انسان اس سے پہلے کہ تو مجھے کاٹنے کے لئے ہاتھ اٹھائے میری ایک بات سنتا جا۔ میں موسم سرما کی سرد راتوں کو تیرے چولہے کی آگ بن کر تیرے گھر کو گرم رکھتا ہوں، موسم گرما کی تپتی دھوپ میں تجھے اپنے سائے سے راحت پہنچاتا ہوں، میرے پھل تیرے لئے بہترین خوراک کا کام دیتے ہیں،

میں تیرے گھر کی چھت کا شہتیر ہوں جس کے نیچے تو اور تیرے بچے آرام کرتے ہیں، میں تیری میز کا تختہ ہوں جس پر بیٹھ کر تو کام کرتا ہے، میں تیرے آرام کے لئے چارپائی مہیا کرتا ہوں، تیری کلہاڑی کا دستہ بھی ہوں، تیرے گھر کا دروازہ، تیرے بچوں کا جُھولا اور موت کے بعد تیری میّت کا صندوق میری لکڑی سے بنتا ہے۔ میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہوں اور ہر حال میں انسانوں کا دوست ہوں، میں ہوں ایک درخت! انسان کا صدیوں سے خاموش رفیق، پنگھوڑے سے لیکر گور تک انسان کا قدیم دوست، دستِ فطرت کا شاہکار، زمین کا زیور ماں کا آنچل، قدرت کا ائیر کنڈیشنر۔

میں اپنا تعارف ذرا کھل کر کروائے دیتا ہوں۔ میرے حروف تہجّی (د، ر، خ، ت) سے بننے والا لفظ 'درخت' ('د' سے دوا۔ 'ر' سے رحمتِ خدا۔ 'خ' سے خوراک اور 'ت' سے توانائی) میرا اصلی رُوپ ہے۔

(بشکریہ الفضل ربوہ، 23 اگست 2013)

مرحوم پروفیسر چوہدری محمد علی ایم اے ارائیں جالندھری کی فعلی شہادت

(پروفیسر محمد شریف خان)

سوچاں دا لشکارا سی	عملوں نیکو کارا سی
علموں ڈوہنگ سمندر سی	ادبوں نور منارا سی
اُچا بُرج سی ربوے دا	بوہڑ سی، چن سی، تارا سی
سو گلاں دی اکو گل	چودھری سب نوں پیارا سی

(پروفیسر مبارک احمد عابد)

چوہدری محمد علی صاحب کو ''مرحوم'' لکھتے ہوئے کئی بار متردد ہوا ہوں، قلم رُک رُک سا جا رہا ہے شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ موصوف اور تعلیم الاسلام کالج ایک دوسرے کے لئے کتنے لازم وملزوم تھے۔

چوہدری صاحب سے میرا پہلا تعارف ستمبر 1956ء کی کڑکتی سہ پہر دفتر سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل میں ہوا جہاں میں فضل عمر ہوسٹل میں داخلہ کے لئے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کانپتی آواز میں اسلام علیکم کہہ کر پہلے سے کھڑے لڑکوں کی قطار میں دیوار سے لگ کر جا کھڑا ہوا۔

ذرا ہوش ٹھکانے لگے تو کمرے کا جائزہ لینے کا موقعہ ملا، میز کے سامنے ایک صاحب ٹوپی، کالی عینک لگائے کوٹ پینٹ پہنے بیٹھے تھے، پتہ چلا موصوف سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل چوہدری محمد علی صاحب ہیں۔ ان کے ساتھ بائیں جانب بیٹھے ہنس مکھ چہرہ پروفیسر سعید اللہ خان صاحب تھے، جو داخلہ فارموں سے پڑھ کر لڑکوں کا تعارف کروا رہے تھے، چوہدری صاحب مزید معلومات کے لیئے متعلقہ لڑکے سے کچھ سوال کرتے، اور فارم پر دستخط کر کے لڑکے کو تھماتے ہوئے ''دفتر میں لے جائیں'' کہتے۔

جب میری باری آئی، دل تو پہلے سے ہی دل دھڑک رہا تھا کہ ہم سے سوال ہوا'' محمد شریف کیا تم منیر شامی کے بھائی ہو'' اب سانس بھی خشک ہوا، خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے گھٹی آواز میں مشکل سے ''جی'' کہہ سکا۔ چوہدری صاحب اور سعید اللہ خان صاحب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا (منیر، میرے بڑے بھائی تھے جو تعلیم الاسلام کالج قادیان کے اوّلین طالب علم تھے۔ تقسیم ملک کے دوران قادیان میں شہید ہوئے، خان صاحب کے کلاس فیلو تھے)، چوہدری صاحب نے فارم پر کچھ لکھا، اور یہ کہتے ہوئے ''اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتائیں'' فارم مجھے تھما دیا۔ اسلام علیکم کہہ کر دفتر سے نکلا تو کچھ جان میں جان آئی۔

مجھے چار نمبر ڈارمیٹری میں سیٹ الاٹ ہوئی جہاں پہلے سے تین لڑکے میرا انتظار کر رہے تھے۔ سامان رکھا تعارف ہوا، ریاض حسین مونس کبیر والا ملتان، رفیق احمد خان ساہیوال، نصرت حفیظ اللہ علوی پنڈ دادن خان۔ مجھے دروازے کے پاس سیٹ ملی۔ ہم ایک دوسرے کا کن انکھیوں سے جائزہ لے ہی رہے تھے کہ ناگہاں گھنٹی کی آواز نے ہمیں چونکا دیا، وضو کیا، نماز کے بعد کھانا پیٹ بھر کر کھایا۔ سخت گرمی تھی۔ پسینے سے شرابور، سفر کے تھکے ماندے چارپائی پر لیٹتے ہی گہری نیند میں ڈوب گئے۔

گھنٹی بجی عصر کی نماز چوہدری صاحب نے پڑھائی اور بخاری شریف سے ایک حدیث کا درس بڑی شستہ انگریزی زبان میں دلنشین انداز میں دیا، کچھ سمجھ آیا کچھ نہ۔ اگلے روز ہمارا کالج میں پہلا دن تھا، گرمی انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ گول بازار میں مجید آئرن سٹور سے دفتر کی پرچی دکھا کر پیڈسٹل فین لے آئے۔

اگلے دن کالج آفس سے آئی ڈی کارڈ کے سلسلے میں دو تصاویر جمع کروانے کا حکم ملا۔ ربوہ میں سٹوڈیوز کا علم نہیں تھا۔ سینیئرز سے پوچھا، انہوں نے چنیوٹ مین بازار میں شریف دندان ساز کی دکان کے ساتھ والے سٹوڈیو کا بتایا۔ ہم چاروں روم میٹ سٹوڈیو پہنچے، ارجنٹ تصویریں بنوائیں، دو گھنٹے بعد ملیں اسوقت تک عصر کا وقت نکل چکا تھا۔ ہوسٹل پہنچے، مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد کمرہ نمبر چار کے لڑکوں کو کھانے کے بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب کے دفتر میں پہنچنے کا اعلان سنا، پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے...اب یہ کیا افتاد..؟ جیسے تیسے کھانا زہر مار کیا۔ حال وبے حال دفتر پہنچے، May We Come In Sir چوہدری صاحب کی رعب دار Come in نے ہمارے دل مزید دھڑکا دیئے کانپتے ہوئے لرزتے قدموں کے ساتھ داخل ہوئے۔

چوہدری صاحب جلالی موڈ میں تھے۔ آپ عصر کی نماز پر کہاں تھے؟ ریاض پُر جرأت تھا۔ ''ہم چنیوٹ تصویر کھنچوانے گئے تھے۔''

'' آپ کو پتہ نہیں چنیوٹ آپ کے لئے آؤٹ آف باؤنڈ ہے!''

''سر، وہ کیا ہوتا ہے!''
شاید یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ فرسٹ ایئر فولوں کا ٹولہ ہے، چوہدری صاحب کے پُرغصہ چہرے پر کچھ بشاشت کھیل گئی۔ آپ کو چنیوٹ جانے سے پہلے مجھ سے اجازت لینی تھی۔ منتھلی رپورٹ میں آپکے والدین کو آگاہ کیا جائے گا۔ اگلے ہفتے ابا جی کا سخت ڈانٹ کا خط آیا۔ وہ دن اور آج کا دن پھر ہم نے کبھی خلافِ قانون کوئی عمل نہ کیا۔

مزید پڑھائی کے سلسلہ میں چار سال کالج سے دور رہا۔ واقفِ زندگی تھا۔ 1963 میں ایم ایس سی کے بعد کالج کے دفتر میں حاضر ہونے کی ہدایت ہوئی اور لیکچرر تعینات ہوا۔ خوش خوش دفتر سے باہر نکلا۔ باہر برآمدہ میں چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا اور گلوگیر آواز میں فرمایا: ''شریف صاحب غم نہ کریں اگلے سال پاس ہو جائیں گے۔'' جب میں نے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

چوہدری صاحب سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل کے علاوہ فلسفہ کے پروفیسر بھی تھے، اگرچہ میں چوہدری صاحب کا شاگرد نہیں رہا تھا، ایک لمبا عرصہ 1963-1975 مجھے چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آتے جاتے کبھی چوہدری صاحب کو کالج کے کسی کلاس روم میں کلاس لیتے نہیں دیکھا تھا، حیران تھا۔ چوہدری صاحب جیسا Dutyful اُستاد کیسے ہوسکتا ہے کلاس نہ لیتا ہو؟ آپ کے ایک شاگرد مکرم داؤد طاہر کے درجِ ذیل بیان نے پرانے یونانی اساتذہ کی یاد تازہ کردی:

''چوہدری محمد علی ہمیں فرسٹ ایئر میں منطق پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا پڑھانے کا طریقہ بالکل غیر رسمی تھا۔ ممکن ہے وہ اس عرصے میں دو چار بار کلاس روم میں بھی آئے ہوں لیکن بالعموم وہ ہمیں اپنے گھر پر بلا لیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ موصوف ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ بھی تھے اور اس حوالے سے انہیں کالج کیمپس میں مکان ملا ہوا تھا۔ ہم ان کے ہاں پہنچتے تو وہ عموماً بنیان اور دھوتی میں ملبوس ہوتے۔ وہ اسی لباس میں چارپائی پر بیٹھ جاتے۔ ہم میں سے کچھ ان کے ساتھ چارپائی پر اور باقی سامنے پڑی کرسیوں اور موڑھوں پر بیٹھ کر ان کے گرد دائرہ سا بنا لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لہجے میں ایک خاص مٹھاس رکھی ہے اور پرانے واقعات کے بیان کا ملکہ عطا کیا ہے۔ وہ اپنے خوبصورت لہجے میں اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتے اور باتوں ہی باتوں میں پڑھاتے بھی جاتے۔ اکثر اوقات وہ ہمیں کچھ کھلا پلا بھی دیتے۔ یہ ان کی شفقت ہی کا نتیجہ تھا کہ ہم شوق سے ان کے پیریڈ کا انتظار کرتے اور بغیر کسی اشد مجبوری کے اسے کبھی مس نہ کرتے۔

ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ ہونے کے علاوہ موصوف بیک وقت کالج کے ہائیکنگ کلب، کشتی رانی کلب اور باسکٹ بال کلب کے صدر بھی تھے۔ اس اعتبار سے ان کے فرائض بہت متنوع تھے لیکن وہ اپنی تمام ذمہ داریوں کو انتہائی خوش اسلوبی سے ادا کرتے۔

کشتی رانی کلب کے انچارج کی حیثیت میں وہ ہمیں کئی بار دریا پر لے جاتے۔ مجھے یاد ہے ایک بار ہم نے ان کی سرپرستی میں ایک رات پانی کی مخالف سمت کچھ اوپر جا کر ایک جزیرے پر گزاری۔ ہم ٹینٹ اور کھانے پینے کا خام سامان ہمراہ لے گئے تھے۔ ہم نے جزیرے پر اپنا خیمہ نصب کیا اور اینٹوں کے چولہے پر ہنڈیا اور روٹی بنائی اور یوں اس پکنک کا لطف دوبالا ہو گیا۔''

1974 کے جماعت کے خلاف فسادات کے دوران چوہدری صاحب کالج کے پرنسپل کے علاوہ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔ اس دوران گورنمنٹ کے ایما پر ربوہ ریلوے اسٹیشن پر غنڈہ گردی کی آڑ میں ربوہ جیسے پُرامن شہر میں بدامنی پیدا کرنے کی سازش کی گئی اور پُرامن شہریوں کی بلا امتیاز بلا اشتعال گرفتاریاں کی گئیں، جب حکومت کی طرف سے گرفتاریوں کا دیا ہوا ہدف پورا نہ ہوا تو علاقے کا ڈی ایس پی سپاہیوں کی نفری لیکر بغیر پرنسپل کی اجازت کے کالج پہنچا اور مطالبہ کیا کہ مجھے 250 لڑکوں کی ہوسٹل سے گرفتاری دیدیں۔ چوہدری صاحب مرحوم نے بڑی جرأت سے اُسے کالج میں بلا اجازت داخل ہونے پر سرزنش کی اور کالج کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اسطرح ہوسٹل میں رہنے والوں کی حفاظت کی ذمہ داری کو جرأت رندانہ سے نبھایا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھیے اور دیکھئے مرحوم چوہدری صاحب نے ساری عمر اس عہد کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی تمام عمر جماعت کے ایک ادنیٰ خادم کی طرح گزار کر امر ہو گئے:

''یہ سامنے کی کوٹھی جنھوں نے اپنے رہنے کے لیئے بنوائی تھی اس میں اب ہوسٹل کے جو سپرنٹنڈنٹ رہیں گے۔ وہ ان کے ہم نام، ہم قوم، ہم

ڈگری اور ہم علاقہ ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ علیہ الاسلام نے لکھا ہے۔ پہلا آدم آیا تو شیطان نے اسے بہشت سے نکالا مگر دوسرا آدم اس لئے آیا کہ کہ جنت میں داخل کرے۔اس کوٹھی میں پہلے رہنے والے محمد علی نام کے، ایم اے ڈگری والے، ارائیں قوم کے اور وطن کے لحاظ سے جا لندھری تھے، انکے ساتھیوں نے خلافت کے اختلاف کے وقت کہا تھا، دیکھ لینا! دس سال تک یہاں عیسائیوں کا قبضہ ہوگا۔خُدا تعالیٰ کی نکتہ نوازی دیکھو۔دس سال بعد نہیں تیس سال بعد ایک دوسرا شخص اُسی نام کا اور اُسی ضلع کا آج ہمارے سامنے یہ کہہ رہا ہے کہ اب میں اس کوٹھی میں رہونگا اور احمدیت کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کرونگا۔جو کچھ پہلے محمد علی ایم اے ارائیں جالندھری نے کہا تھا بالکل غلط ہے۔یہ جگہ خُدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیئے ہی بنائی اور یہاں اسلام کے خادم ہی رہیں گے اور میں محمد علی ایم اے ارائیں جالندھری اپنے طلباء کے سمیت پوری کوشش کرونگا کہ احمدیت اپنی سب روایات سمیت قائم رہے اور دنیا پر غالب آئے۔“ (الفضل یکم نومبر 1945)

مرحوم چوہدری صاحب ایک ہمدرد انسان، شفیق استاد، مہربان دوست، بہترین منتظم اور قادرکلام شاعر تھے۔مرحوم محمد علی سے مضطر اور عارفی کے درجات طے کرتے ہوئے یادگار شاعری ورثہ چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے، تعلیم الاسلام کالج کی یادوں میں تادیر رہیں گے۔

مجھ سے ہمیشہ پیار سے پیش آتے۔ جب 1996 میں مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی، چوہدری صاحب کی مبارکبادی کا پیغام ملا اور خوشی کا اظہار تھا۔جلسے کی ڈیوٹیاں، کالج میں امتحانات کی ذمہ داریوں کے دوران ہمیشہ چوہدری صاحب مرحوم کی مہربانیوں کا مورد رہا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔آمین۔

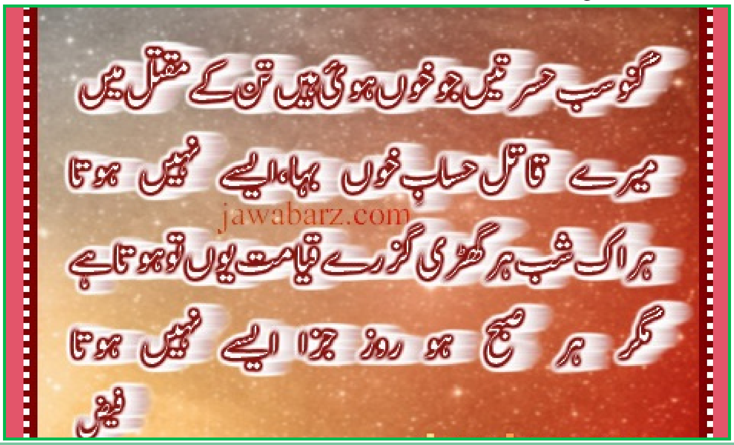

روحِ حضرت مصلح موعودؓ سے- پیمانِ شاعر

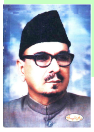

(ثاقب زیروی)

تونے کی مشعلِ احساس فروزاں پیارے
دل بھلا کیسے بُھلا دے تیرا احساں پیارے
رُوح پژ مردہ کو ایماں کی جِلائیں بخشیں
اور انوار سے دھو ڈالے دل و جاں پیارے
ولولوں نے تیرے ڈالی مہ و انجم پہ کمند
تونے کی سطوتِ اسلام درخشاں پیارے
اب وہی دینِ محمدؐ کی قسم کھاتے ہیں
تھے جو مشہور کبھی دشمنِ ایماں پیارے
پہلے بخشا میرے بہکے ہوئے نغموں کو گداز
پھر مری رُوح پہ کی درد کی افشاں پیارے
مجھ کو بھولے گی کہاں وہ تری بھرپور نگاہ
جگمگا اُٹھا تھا جب فکر کا ایواں پیارے
اب نگاہیں تجھے ڈھونڈیں بھی تو کس جا پائیں
جانے کب پائے سکوں پھر دلِ ویراں پیارے
کون افلاک پہ لے جائے یہ رودادِ الم
ترا متوالا ہے ابھی تک پریشاں پیارے
رُوح پھرتی ہے بھٹکتی ہوئی ویرانوں میں
دل ہے نیرنگئ افلاک پہ حیراں پیارے
شُکرِ ایزد تری آغوش کا پالا آیا
اپنے دامن میں لئے دولت عرفاں پیارے
فکر میں جس کے سرائیت تری تخیل کی ضو
گفتگو میں بھی وہی حُسنِ نمایاں پیارے
جس کی ہر اِک ادا ”نافلةالك“ کی دلیل
جس کی ہر ایک نوا درد کا عنواں پیارے
دیکھ کر اُس کو لگن دل کی بجھا لیتا ہوں
آنے والے پہ نہ کیوں جان ہو قرباں پیارے
تیری اس شمع کا پروانہ صفت ہوگا طواف
تیرے ثاقبؔ کا ہے اب تجھ سے یہ پیماں پیارے

جستہ جستہ

بیوی

ایک بزرگ سے کسی شخص نے اپنی بیوی کا عیب بیان کیا تو انہوں نے پوچھا: ''تمہارا دھوبی کون ہے؟'' وہ بولا: بیوی

''گھر اور مال کا چوکیدار کون ہے؟'' وہ بولا: بیوی

''اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر عمر بھر کیلئے تمہارا ساتھی کون بنا ہے؟''

وہ بولا: بیوی ''پریشانی اور غم میں تمہاری دلجوئی کون کرتا ہے؟'' وہ بولا: بیوی

جب تم بیمار ہوتے ہو تو تمہاری تیمارداری کون کرتا ہے؟ وہ بولا: بیوی

بزرگ نے پوچھا کہ کیا تمہاری بیوی ان سب کاموں کی اجرت مانگتی ہے تم سے؟ وہ بولا: نہیں۔ بزرگ نے فرمایا: ''ایک عیب تو تم نے فوری ڈھونڈ لیا بیوی میں لیکن اتنی خوبیاں کبھی تمہیں نظر نہیں آئیں۔

وہ پاگل شاید آپ ہی ہوں!

اردو کے امتحان میں محاوروں کو جملوں میں استعمال کرنے کا سوال بھی شامل تھا۔ چنانچہ ایک قابل اور ہونہار طالب علم نے ان محاوروں کو جس لیاقت اور قابلیت سے جملوں میں استعمال کیا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) پانچوں انگلیاں گھی میں ہونا: امی کی پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں، کیونکہ چمچ نہیں مِل رہا تھا اور پکوڑے تلنے کے لئے گھی نکالنا بہت ضروری تھا۔

(۲) کسی پر کیچڑ اچھالنا: میں نے پپّو کے گھر جا کر اس کی امی سے شکایت کی کہ آنٹی دیکھیں یہ مجھ پر کیچڑ اُچھال کر بھاگ آیا ہے، آپ میرے کپڑے دیکھ لیں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔

(۳) بال بال قرضے میں جکڑے جانا: حامد کرزئی کا بال بال قرضے میں جکڑا گیا تھا، اسی لئے تو اُس نے بال کٹوا دئے اور اب خود دیکھ لیں کہ بالکل گنجا ہو چکا ہے۔

(۴) آسمان سے باتیں کرنا: ماسٹر صاحب! کل میں بازار سے سموسے خریدنے کے لئے نکلا تو میں نے کیا دیکھا کہ ہمارے محلے کا ایک پاگل شخص آسمان کی طرف منہ اٹھائے ہوئے آسمان سے باتیں کئے جا رہا تھا۔

ممتحن صاحب نے موصوف کے جوابات پڑھ کر ان کے پیپر پر لکھا!

''نمبرات 0/4 وہ پاگل آپ ہی ہوں گے!''

ایک سردار میوزیم گیا۔ وہاں اُس سے ایک کپ ٹوٹ گیا۔

آفیسر: تم نے 5000 سال پُرانا کپ توڑ دیا۔

سردار: خدا دا شکر ہے.. میں سمجھیا نواں سی..!!

تصویری نمائش میں ایک خاتون ایک مصور سے بات کر رہی تھی۔ اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا:

اور تو خوب مگر یہ دیکھیں.. اس کے خدوخال ایسے بگڑے ہوئے ہیں کہ ایک بار نظر پڑ جائے تو دوبارہ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

مصور نے نہایت متانت سے جواب دیا: جی آپ نے بجا فرمایا... لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ تصویر نہیں آئینہ ہے..''

جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا، تو پھر لہو کیا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو کہ ''تو کیا ہے''
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
نہ شعلے میں یہ کرشمہ، نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تندخو کیا ہے
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوف بدآموزئ عدو کیا ہے
چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے
جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ، جستجو کیا ہے
رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا، تو پھر لہو کیا ہے

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

ذروں کی کہانی - آصف کی زبانی

کیمبرج سے امپیریل کالج تک (آصف علی پرویز)

آصف: پروفیسر عبد السلام صاحب کیمبرج میں اپنی تحقیقات میں خوب مصروف تھے اور بڑی حد تک مطمئن!

دوست: کیمبرج جیسے علم کے مرکز میں اعلیٰ پایہ سائنسدانوں سے تبادلہ خیالات تحقیق کے لئے بہترین مواقع مہیا کرتا ہے یاد ہے آپ کو جب ڈاکٹر عبد السلام صاحب کو نوبل انعام یافتہ پروفیسر پاؤل سے ملاقات پر ''چارج شیٹ'' ملی تھی!

آصف: اب پرانی باتوں کو بھول بھی جائیے! اب تو آپ علم کے سمندر میں دوسرے تیراکوں کے ساتھ غوطہ زنی کر کے علم کے موتی ڈھونڈ کر دنیا کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ اسی سال آپ کو جنیوا میں پہلی ایٹم برائے امن Atom For Peace کانفرنس میں شرکت کا موقعہ ملا۔

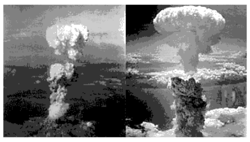

دوست: میں تو سمجھتا تھا کہ ایٹم سے صرف ایٹم بم ہی بن سکتا ہے جو لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو آنِ واحد میں لقمہ اجل بنا سکتا ہے جیسا کہ دو جاپانی شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی میں ہوا تھا۔

آصف: نہیں نہیں! ایٹم کے بے شمار فائدے بھی یقیناً ہیں۔ آج سے چند سو سال بعد جب سے مالا مال ہو کر اپنے اپنے ملکوں میں جا کر سائنس کی شمع کو روشن کریں۔

دوست: تو پھر کیا ایسا ادارہ بنا!

آصف: بنا اور ضرور بنا اور اس کے پہلے ڈائریکٹر بھی پروفیسر عبد السلام صاحب مقرر ہوئے لیکن اس کی تفصیل پھر کسی اور مجلس پر چھوڑ دیجئے۔ آیئے ذرا واپس کیمبرج چلیں۔

دوست: ہاں! وہ آپ کی ''لوہاروں کے کالج'' والی بات کیا تھی؟

آصف: لیجئے یہ قصہ بھی آپ کو سنا دیتا ہوں۔ ایٹم برائے امن کانفرنس میں آپ کو سائنٹفک سیکرٹری کے فرائض سرانجام دینے کا اعزاز ملا۔ جلد ہی آپ کو اندازہ ہو گیا کہ اقوام متحدہ کا ادارہ دنیائے سائنس میں کتنا اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور آپ کے دل میں اس خواہش نے جنم لینا شروع کیا کہ اقوام متحدہ کے تحت ایک بین الاقوامی نظریاتی سینٹر بننا چاہئے جہاں تمام دنیا بالخصوص تیسری دنیا کے سائنسدان آ کر علم کی دولت تمام تیل اور گیس کے ذخائر ختم ہو جائیں گے تو ایٹمی توانائی سے تمام کی تمام بجلی پیدا کی جائے گی بلکہ میں تو یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آج سے سو یا دو سو سال بعد تمام کاریں، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ریلیں ایٹمی توانائی سے ہی چلیں گی۔

دوست: ہم تو اس وقت نہیں ہوں گے۔ یہ تو ہماری نسلیں در نسلیں ہی آپ کو اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں گی بشرطیکہ یہ سچ ہوا۔

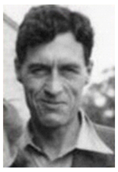

آصف: انشاء اللہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ ہوا یہ کہ نوبل انعام یافتہ Professor Patrick Blacket ان دنوں امپیریل کالج لنڈن کے Dean of Science تھے۔ وہ اس کالج میں نظریاتی طبعیات کا شعبہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اتفاق سے وہ کیمبرج میں نوبل انعام یافتہ Professor Hans Bethe سے ملے۔ انہوں نے ان سے اپنی اس خواہش کا ذکر کیا اور بعض عالمی شہرت یافتہ پروفیسروں کے نام مانگے جن میں سے وہ مناسب شخص کا انتخاب کر سکیں۔

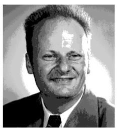

دوست: تو پروفیسر بیتھے نے تو ایک لمبی فہرست انہیں بتائی ہوگی کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کر لیں آخر کیمبرج میں تو تمام مشہور زمانہ سائنسدان اکٹھے کام کرتے تھے۔

آصف: نہیں! انہوں نے صرف ایک نام دیا اب بوجھیں وہ کون تھے؟

دوست: مجھے تو سائنس سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں میں کیا جانوں!

آصف: وہ تھے مایہ ناز سائنس دان ہمارے پروفیسر عبد السلام صاحب۔ یہ سنتے ہی پروفیسر بلیکٹ پروفیسر عبد السلام کے دفتر جا پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا اور بغیر اجازت لئے سیدھے اندر چلے گئے جہاں پروفیسر عبد السلام صاحب تحقیق میں مشغول تھے۔

دوست: لگتا ہے کہ پروفیسر بلیک پروفیسر عبد السلام کا نام سن کر اتنے خوش تھے کہ انہوں نے اندر آنے کی اجازت بھی طلب نہ کی ورنہ یہ انگریزوں کے آداب کے خلاف ہے! ہاں تو پھر کیا ہوا۔

آصف: ضرور میں بتاؤں گا مگر اگلی ملاقات میں۔